محمد حنیف ندوی

تصوف کے مابعد الطبیعی مسائل

علّامہ ابن تیمیہ کی اصلاحی سرگرمیاں

(۴)

مسئلہ کشف پر یہاں تک بحث و نظر کا انداز شرعی و دینی تھا۔ علّامہ نے اس کے نفسیاتی پہلو پر بھی گفتگو کی ہے۔ اس سلسلہ میں ان کا کہنا ہے کہ علم و معرفت کا یہ انداز اس لیے قطعی نہیں کہ اس میں احوال رحمانیہ کے ساتھ ساتھ احوال شیطانیہ کی دخل اندازیوں کا بھی قوی امکان ہے۔ بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سالک ان دونوں میں فرق و امتیاز کے حدود کو قائم نہیں رکھ پاتا، اور خالص شیطانی وسوسوں کو القاء و الہام سمجھ لیتا ہے۔

آج کل کی علمی زبان میں یوں کہنا چاہیے کہ علّامہ کشف کو معروضی حقیقت نہیں سمجھتے کہ جس کا تعلق نفس کی علوی سطح ہی سے ہو بلکہ موضوعی مانتے ہیں جس میں کہ نفس انسانی کی ادنیٰ سطح کی کارفرمائیاں بھی برابر منعکس ہوتی رہتی ہیں۔ اس صورت میں یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ کشف و الہام کا کون حصہ قلب و فکر کی گہری، عمیق اور براق سطح سے متعلق ہے۔ اور کون وہ ہے جو محض نفس کی اٹھلی اور ادنیٰ سطح سے متعلق ہے۔ جس میں کہ معروضی حقائق کے بجائے صرف خواہشات، وساوس، اور گھٹیا جذبات کی کارفرمائیوں کی جھلک ہی پائی جاتی ہے:

۱۔ ان ما یجعل اللہ فی القلوب یکون تارۃ بواسطۃ الملائکۃ ان کان حقا و تارۃ بواسطۃ الشیاطین اذا کان باطلا۔[۵]

۵۔ قاعدۃ فی المعجزات والکرامات، ص ۸۸

اللہ تعالیٰ دلوں میں جو القا کرتا ہے کبھی وہ ملائکہ کی وساطت سے ہوتا ہے اگر وہ حق ہو۔ اور کبھی شیاطین کے توسط سے ہوتا ہے اگر باطل ہو۔

۲۔ وکثیرٌ من المتصوفة والفقراء یبنی علیٰ منامات واذواق وخیالات یعتقدھا کشفا وھی خیالات غیر مطابقة واوھام غیر صادقة[۱]

اور صوفیا و فقرا میں بہت سے حضرات ایسے ہیں جو اپنے افکار کی بنیا د منامات اذواق اور خیالات پر رکھتے ہیں اور ان کو کشف سمجھ کر مانتے ہیں حالانکہ ان کی حیثیت ایسے خیالات واوہام سے زیادہ نہیں جو غیر صادق اور خلاف واقع ہیں۔

۳۔ وھذا باب دخل فیه امر عظیم علی کثیر من السالکین واشتبھت علیھم الاحوال الرحمانیة بالاحوال الشیطانیة۔[۲]

یہ وہ باب ہے جس میں بہت سے سالکین ایک امر عظیم سے دوچار ہوئے ہیں یعنی یہ احوال رحمانیہ اور احوال شیطانیہ کی معرفت کے سلسلہ میں التباس کا شکار ہو گئے ہیں۔

ایک بل اور اس کا حل

کشف کے معاملہ میں دراصل ایک بل ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر اس کی معروضیت کو تسلیم نہ کیا جائے تو اس میں یہ کھلی ہوئی قباحت ہے کہ پھر ہمارے پاس نبوت کی گتھیوں کو سلجھانے کے لیے کوئی اساس باقی نہیں رہے گی۔ اللہ تعالےٰ کے لاتعداد فیوض رحمت اور آثار ربوبیت کو بلا وجہ وحی کے متعین و محدود پیمانوں میں محصور ماننا پڑے گا۔ اور اسی طرح اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ انسان کے ارتقاء روحانی کی حدبندی کی جائے، اور یہ مانا جائے کہ اس کی پرواز ایک خاص سطح

---

[۱] قاعدة فی المعجزات والکرامات ص ۱۹

[۲] ایضاً

تک ہے اس کے آگے نہیں ۔ نیز ان ہزاروں حضرات کے بیانات کو جھٹلانا پڑے گا کہ جنھوں نے ریاضت و مجاہدہ سے اس مقام بلند کو حاصل کیا ہے ۔

اور اگر اس کی معروضیت کو تسلیم کر لیا جائے تو اس میں بنیادی اور منطقی قباحت یہ ہے کہ اس طرح نبوّت کے علاوہ ایک اور مستقل بالذات سرچشمہ علم و ادراک ایسا بھی ماننا پڑے گا کہ جس سے براہ راست اخذ معارف ممکن ہے ۔

ظاہر ہے کہ اس سے نہ صرف علوم نبوت سے تصادم رونما ہونے کا خطرہ ہے بلکہ سرے سے نبوت کا خصوصی تصور ہی ختم ہو جاتا ہے ۔

سوال یہ ہے کہ اس دوہرے اشکال سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تدبیر کیا ہے ۔

ہماری رائے میں یہ اشکال اس بنا پر ابھرا ہے کہ ہم نے کشف و وحی کے نیچر ، حدود و اثرات اور امتیازات سے تعرض کیے بغیر دونوں کو ایک ہی درجہ کی چیز سمجھ لیا ہے ۔ آیئے ہم تجزیہ و تحلیل کی روشنی میں یہ دیکھیں کہ ان دونوں میں فرق و اختلاف کی نوعیت کیا ہے ! اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل تنقیحات پر غور کیجیے ۔

۱۔ کشف ایک ذاتی تجربہ ہے اور وحی جن حقائق کو اپنے دامن میں لیے ہوتے ہے وہ ہمہ گیر ہیں ۔

۲۔ کشف چونکہ ذاتی و شخصی تجربہ ہے اس لیے اس میں جو معروضیت پنہاں ہے وہ بھی ذاتی و شخصی حد تک قابل اطمینان ہو سکتی ہے اور اس کے مقابلہ میں نبوت و وحی کا پیغام و دعوت چونکہ ہمہ گیر ہے اس لیے اس کی معروضیت ہمہ گیر ہو گی ۔

۳۔ اگر مقدمات کی یہ ترتیب صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں میں اگر تصادم رونما ہو تو یہ تصادم موضوعیت اور معروضیت کے مابین واقع ہو گا ۔ معروضیت اور معروضیت کے مابین نہیں ۔

۴۔ کشف کے مشمولات متعین نہیں کیونکہ ان کا تعلق احوال و مستقبل سے بھی ہو سکتا ہے ۔ اشیاء کونیہ سے بھی ہو سکتا ہے ۔ شرائع کی تعبیر سے بھی ہو سکتا ہے ۔ اور ان کیفیات سے بھی ہو سکتا ہے کہ جن میں ایک سالک حقائق دینی کو مثالی شکل میں متحقق و ثابت دیکھتا ہے ۔ اس کے مقابلہ میں وحی و

نبوّت کے مشمولات متعین ہیں اس لیے کہ ان کا تعلق زندگی کے اس نقشے سے ہے کہ جس میں فرد و معاشرہ کی اصلاح و ترقی کی جملہ تفصیلات سے تعرض کیا جاتا ہے۔

۵۔ کشف کی زبان رمزیاتی، گنجلک ہوتی ہے اور نبوت کے مطالب واضح، معروف، اور سمجھ میں آنے والے لسانیاتی طریق سے ادا ہوتے ہیں۔

۶۔ کشف نے ابھی ظن و تخمین کی حدود سے آگے نکل کر علم و معرفت کی جانی بوجھی وادیوں میں قدم نہیں رکھا۔ اور وحی و نبوت شرائع و مذاہب کے اظہار کا قطعی و مسلّمہ ذریعہ ہے۔

۷۔ کشف ذاتی سطح پر بلاشبہ کسی شخص کے لیے طمانیت و الیقان کا موجب تو ہو سکتا ہے۔ مگر اس نے اب تک ایسے ہمہ گیر، متفق علیہ نتائج پیش کیے کہ جن سے تہذیب و تمدن کے کسی متعین نقشے کو ترتیب دیا جا سکے۔ جن سے علم و عرفان کے قافلے آگے بڑھ سکیں۔ یا جن سے تسخیر کائنات کے داعیوں کی تسکین ہو سکے۔

اس کے مقابلہ میں علوم نبوت نے لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کے دلوں میں ایمان کی شمعیں فروزاں کی ہیں۔ تہذیب و تمدن کی بوقلموں محفلیں سجائی ہیں۔ علوم و فنون کو جلا بخشی ہے۔ اور کائنات کے بارہ میں ایسے خیال آفریں تصورات کو پیش کیا ہے کہ جن سے اس عالم رنگ و بو کو سمجھنے میں حقیقۃً مدد مل سکتی ہے۔

اس مختصر تجزیہ سے ان دونوں میں تقابل و تعارض کی جو نوعیت ہے وہ تو واضح ہو جاتی ہے اور یہ حقیقت نکھر کر فکر و نظر کے سامنے آجاتی ہے کہ کشف کے مقابلہ میں وحی زیادہ یقینی، زیادہ معروضی اور زیادہ لائق اعتبار ہے۔ آخر میں ہمیں صرف ان دو سوالوں کا جواب دے کر بحث کو ختم کر دینا چاہیے کہ اگر وحی و نبوت کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے تو پھر فیوض ربوبیت جو ایک نوع کا مخاطبہ اور مکالمہ چاہتے ہیں ان کی کیا توجیہ کی جائے گی۔ اس طرح انسان کے روحانی ارتقا کو غیر محدود امکانات کا حامل کیونکر قرار دیا جائے گا۔

ان دونوں سوالوں کا نہایت سادہ اور توضیحات سابقہ پر مبنی جواب یہ ہے۔ بلاشبہ شریعت و دین کے تقاضے مکمل ہو چکے ہیں لہٰذا اس باب میں کسی نئے مکالمہ اور مخاطبہ کی حاجت نہیں۔ اور نہ

اس کے متوازی اور بالمقابل کسی ایسے نظام علم و ادراک ہی کی ضرورت ہے جو نہ صرف تعارض وتصادم کی نئی نئی صورتوں کو ابھارے اور اجاگر کرے بلکہ سرے سے نبوّت ورسالت کے اس خصوصی تصور ہی کو ختم کر دے۔ ہاں مکالمہ و مخاطبہ کا ہدف سالک کے ذاتی حالات البتہ ہو سکتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کسی شخص کو ختم نبوت کے باوجود معرفت کی راہوں پر ثابت قدم رکھنے کے لیے اور اس کی تسکین وطمانیت کی خاطر اب بھی شرف تحدیث و کلام سے بہرہ مند کر سکتا ہے۔ یا بتغیر الفاظ اب بھی یہ عین ممکن ہے کہ ارتقاء روحانی کا سلسلہ بلا کسی روک ٹوک کے کسی شخص کے ذاتی احوال کی حد تک جاری رہے۔ اور اللہ کے قرب وحضور کی رنگا رنگی طالب حق کے قلب پر انوار و تجلیات بکھیرتی رہے۔

لیکن کشف والہام کی یہ صورت جہاں تک حجیت واستناد کا تعلق ہے نہ صرف وحی ونبوت سے کم درجے کی رہے گی بلکہ اس کی بنا پر کسی فقہی اجتہاد کی تغلیط بھی جائز نہیں تاآنکہ اصول اجتہاد اور ادلّہ اجتہاد سے اس کی تائید وتوثیق کا سامان مہیا نہ کر لیا جائے۔ اور اہل حق صوفیاء نے اس سے زیادہ کشف کی اہمیتوں کو کبھی تسلیم ہی نہیں کیا۔